پاکستانی ثقافت تاریخی تناظر میں

پروفیسر ڈاکٹر ریاض احمد

ثقافت ایک ایسا موضوع ہے جس کو انگلش میں کلچر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں لیکن پھر بھی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے۔ کیونکہ دنیا بھر میں جب بھی پاکستانی ثقافت کے حوالے سے بات ہوتی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانی ثقافت کو کس طرح بھرپور انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے؟ کس طرح اس موضوع کو جاندار بنایا جائے؟ ہمارے ثقافتی رشتے تاریخ کی روشنی میں کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں اور پاکستانی ثقافت کا مستقبل کیا ہے؟ مقالہ ھذا میں انہی چند سوالات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پاکستانی تہذیب کے بہت سے خدوخال اور Dimensions ہیں۔ اگرچہ پاکستان کے مختلف صوبوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن ان زبانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ان کا ایک ہی انداز تحریر ہے۔ ان کا خاندانی تعلق عرب اور فارسی سے بنتا ہے۔ الفاظ کے ذخیرے اور تاریخی لحاظ سے قومی زبان اردو تمام صوبوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کی سرکاری زبان انگلش ہے جو برٹش دور حکومت کی یاد دلاتی ہے۔ اس زبان کے بھی ہماری قومی اور علاقائی زبانوں پر کافی اثرات موجود ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو مشرقی بنگال پاکستان کا حصہ تھا جو ۱۹۷۱ء تک ہمارے ساتھ رہا۔ اس طرح پورے پاکستان میں اردو زبان بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ اسی لیے پاکستانی تہذیب کو اگر جنوبی ایشیاء کے تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو پاکستان کی ایک واضح تہذیب و تمدن ابھر کر سامنے آتی ہے اور اس تہذیب کے بنانے میں اسلام نے اہم کردار ادا کیا۔ اس لحاظ سے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان تہذیبی لحاظ سے بھی ایک ہی اکائی کا حصہ ہیں۔ ۱۹۷۱ء کے بعد مغربی پاکستان ہی پاکستان کے تصور کے طور پر سامنے آیا۔ اس لحاظ سے ہمارے بہت سے تہذیبی عناصر اور خدوخال ہیں۔ پاکستان کی جغرافیائی لحاظ سے سرحدیں ہندوستان کے علاوہ

سینٹرل ایشیاء، افغانستان، چین اور ایران کے ساتھ ملتی ہیں۔ پاکستانی تہذیب پر ان تمام علاقوں کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ پاکستانی کھانے دراصل سینٹرل ایشیاء اور ہندوستانی کھانوں کا حسین مرکب ہے۔ اسی طرح پاکستانی لباس سینٹرل ایشیا اور ہندوستانی تہذیب کا حسین امتزاج ہے۔ قومی اور علاقائی زبانوں میں بہت سے عربی اور فارسی اثرات موجود ہیں۔ اسلام کے آنے سے پہلے ہندومت اور بدھ مت کے اثرات تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد اسلامی حکومتوں کے ادوار میں نئی اسلامی تہذیب نے جنم لیا۔ اردو زبان پر بدھ مت اور موئنجوداڑو تہذیب کا بھی کچھ اثر دکھائی دیتا ہے لیکن ایسے الفاظ کم ہیں۔ زیادہ تر الفاظ وہ ہیں جن کا اسلامی ادوار حکومت میں رواج ہوا۔ اسی لیے پاکستان کے تمام صوبوں اور شہروں کے اسلامی نام ہیں کہیں کہیں پرانے نام موجود ہیں۔ زیادہ تر نام صوفیاء اور سلاطین اور مسلم مفکرین کے ناموں سے منسوب ہیں۔ اس طرح پاکستانی تہذیب پر مختلف ادوار کے اثرات موجود ہیں۔ پاکستان کے چاروں صوبوں اور کشمیر کے حوالے سے دیکھا جائے تو ان تمام لوگوں کی رسومات، رہن سہن، ان کا انداز گفتگو، تقریبات اور دیگر رسومات ایسے نظر آتے ہیں جیسے پاکستانی ثقافت خاصی مختلف ہے۔ جو کہ عرب میں نظر نہیں آتی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کی ابتداء تاریخ کے کون سے دور میں ہوئی۔ اگرچہ محمد بن قاسم نے ۷۱۲ء میں سندھ اور ملتان فتح کر کے اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی اور عربوں کے ہندوستان سے تجارتی تعلقات اس سے قبل زمانہ سے شروع ہوئے لیکن سلطان محمود غزنوی کا دور حکمرانی ۹۹۷ء سے ۱۰۳۰ء تک ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی حکومت سینٹرل ایشیاء موجودہ پاکستان، آدھا ایران، افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی جس کا دارالحکومت غزنی تھا۔ جو پاکستانی بارڈر کے قریب واقع ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی اسلامی حکومت نے مذہب میں صوفیائے کرام کو سپورٹ کیا اور محمود غزنوی کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اس پالیسی کو جاری رکھا۔ حضرت داتا گنج بخش کی خانقاہ کے لیے کثیر تعداد میں زمین وقف کی گئی۔ پھر جب ۱۰۷۲ء میں داتا گنج بخش کی وفات ہوئی تو آپ کا مزار سلطان مسعود غزنوی نے تعمیر کروایا۔ اس طرح صوفیائے کرام کی سرگرمیوں اور مسلم حکمرانوں کے تحت

پاکستان میں مسلم تہذیب نے جنم لیا۔ اس طرح تقریباً ڈیڑھ سو سال تک کی کاوشوں سے جب فارسی زبان نے عربی کی جگہ جڑ پکڑی تو پاکستانی تہذیب کے خدوخال نئے انداز میں ابھر کر سامنے آئے۔ پھر اس تہذیب کو پورے شمالی ہند اور بنگال پر نافذ کرنے کے لیے غزنی کے حکمران سلطان شہاب الدین غوری نے ترائین کے میدان جنگ میں مہاراجہ پرتھوی کو ۱۱۹۲ء میں شکست دی اور پورے شمالی ہندوستان اور بنگال کو پاکستان کے ساتھ ملا کر سلطنت غزنی کا حصہ بنا لیا لیکن زیادہ تر گورنر، فوجی اور مقامی حکمران مسلمانوں کو مقرر کیا گیا جو پاکستان علاقوں پر پہلے سے حکومت کر رہے تھے۔ یہ تمام کام قطب الدین ایبک کی سربراہی میں ہوا جس کو سلطان شہاب الدین غوری اپنا نائب مقرر کر کے غزنی واپس ہو گیا۔ قطب الدین ایبک نے اپنے دو ساتھیوں ملک حسام الدین اور محمد بختیار خلجی کی مدد سے ہزاروں کی تعداد میں فوجیوں کو شمالی پنجاب اور ملتان کے اضلاع سے لے جا کر مرزاپور، بنارس اور دیگر شمالی ہند کے شہروں میں آباد کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مسلم سپاہ میں شامل تھے ان دونوں سرداروں کا تعلق بھی پنجاب سے تھا۔ (ص ۴۵۔۳۴۴)۔ اس طرح پاکستانی تہذیب کو پورے ہندوستان اور بنگال پر چھانے کا موقع ملا۔ پاکستان، شمالی ہند اور بنگال کی حکومت نے قطب الدین ایبک کی سربراہی میں کام شروع کیا جس میں لاہور حکومت کا مرکز بنا۔ یہ سلسلہ ۱۲۰۶ء تک چلا جب سلطان شہاب الدین غوری کا انتقال ہو گیا اور غوری کی وصیت کے مطابق قطب الدین ایبک نے سلطان ہند کے نام سے پاکستانی علاقوں کو غزنی سلطنت سے کاٹ کر دہلی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔ اگرچہ اس طرح مسلم دہلی سلطنت کی بنیاد پڑ گئی لیکن پھر بھی لاہور کو تہذیبی اور سیاسی لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل رہی جو کہ تمام سلاطین کے دور میں برقرار رہی۔ تاہم دہلی کو تہذیبی مرکز کے طور پر ابھرنے کے لیے تقریباً پچاس سال لگے۔ سلاطین دہلی کے دور حکومت کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً مسلم تہذیب کو شمالی ہند میں جڑ پکڑنے میں تقریباً ایک سو سال لگے۔ اس کام میں پاکستان کے لوگوں نے اہم کردار ادا کیا۔ جس کی چند ایک مثالیں میں یہاں بیان کروں گا۔ مؤرخ تاریخ فرشتہ نے بیان کیا کہ ملک حسام الدین اور سردار احمد

بختیار خلجی نے عورتوں اور خلجیوں کے علاوہ ہزاروں لاہوری اور ملتانی اضلاع کے لوگوں کو مرزا پور اور بنارس میں اور دیگر شمالی ہند کے علاقوں میں آباد کیا۔ان آباد کار سپاہیوں اور فوجیوں کے لیے علیحدہ بستیاں بنائی گئیں۔جس سے ان علاقوں میں مسلم تہذیب کے اثرات پھیلنے شروع ہو گئے۔(ص۔۴۵۔۳۴۴)۔اس کے بعد علاؤالدین خلجی کے دور حکومت میں فوج کی تنظیم نو کی گئی اور علاؤالدین خلجی نے چار لاکھ پچھتر ہزار کی فوج تیار کی جس میں سے زیادہ تر سپاہی اندرون لاہور، پشاور، ملتان، سندھ، بہاولپور اور پاکستان کے دیگر علاقوں سے لیے گئے۔اس سے بھرپور انداز میں پاکستانی تہذیب نے ہندوستانی تہذیب کو متاثر کیا۔(ص ۳۵۷)اور مختلف علاقوں کے سپاہیوں کے میل جول سے نئی زبان نے جڑ پکڑ لی جسے ہندی یا اردو کے اوائل دور کی زبان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس طرح زبان اور کلچر کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع ہو گیا۔(ص ۳۵۸)۔اس کے بعد تغلق سلاطین نے جنوب کی طرف توجہ دی اور صوفیائے کرام اور علمائے کرام کو جنوب کی طرف جانے پر راغب کیا خاص طور سے محمد بن تغلق نے جس نے پایہ تخت کو دہلی سے دولت آباد دکن میں منتقل کیا۔اگر چہ یہ تبدیلی دارالخلافہ کو زیادہ عرصہ تک تبدیل نہ کر سکی لیکن پالیسی کے طور پر حکومت نے علماء اور صوفیائے کرام کو جنوبی ہند کی طرف مائل کرا دیا اور اس میں ان کی مدد کی۔اس کے بعد محمد بن تغلق کے دور میں جب دارالخلافہ دہلی سے دولت آباد منتقل کیا گیا تو ملتان اور دیپالپور کی شمالی فوجیں اور آباد کار صوفیائے کرام دکن کے مختلف علاقوں میں پھیل گئے۔اس لیے لاہوری، دیپالپوری اور ملتانی اثرات دکن کی سرزمین تک منتقل ہو گئے۔مشہور مؤرخ ضیاالدین برنی نے ان باتوں کا ذکر تفصیل سے اپنی کتاب **تاریخ فیروز شاہی** میں کیا ہے۔(ص ۳۶۴) حضرت بابا فرید شکر گنج کی بیٹی عائشہ بھی اپنے بچوں اور خاوند کے ساتھ دولت آباد منتقل ہو گئیں۔(ص ۳۶۶) بابا فرید کے پوتے جوان دنوں شیخ الاسلام تھے وہ بھی دکن منتقل ہو گئے۔اس طرح مغلوں کے دور حکومت کے آنے تک مسلم تہذیب کے اثرات پورے جنوبی ہند اور دکن پر منقش ہو گئے۔۱۵۲۶ء میں جب ظہیرالدین بابر نے مغلیہ سلطنت کی دہلی میں بنیاد ڈالی اور بعد میں اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، اور

اورنگزیب نے مسلم حکمرانی کو ان علاقوں میں مزید راسخ کر دیا لیکن اورنگزیب کی وفات کے بعد کمزور مسلم حکمران آ گئے اور علاقائی حکمرانوں نے اپنے اپنے صوبوں میں حکومتیں بنا ڈالیں لیکن پھر بھی مسلم کلچر نئے انداز میں ترویج پاتا رہا۔ اس لیے جب انگریز نے برصغیر پر قبضہ کرنے کے لیے اٹھارویں صدی کے وسط سے کوششیں شروع کر دیں اور ان علاقائی حکومتوں کو ایک ایک کر کے اپنے زیر تسلط لاتے رہے اور ۵۸۔۱۸۵۷ء میں بھرپور انداز میں مغل حکمران بہادر شاہ ظفر کے خلاف کارروائی کر کے اسے گرفتار کر لیا اور رنگون منتقل کر دیا۔ جہاں بعد میں اس کا انتقال ہوا تو پورے ہندوستان میں انگریز راج قائم کر دیا۔ اس طرح انگریزی کلچر کا رواج آہستہ آہستہ مغربی تعلیم کے ذریعہ برصغیر پاک و ہند میں پھیلنے لگا۔

جدید تعلیم کو اسلامی یا مسلم سکولوں کے نام سے ترویج دینے کے لیے سر سید احمد خان نے تحریک چلائی اور برصغیر کے تمام بڑے شہروں میں انجمنیں معرض وجود میں آئیں جن کے تحت مسلم اور اسلامی سکول قائم ہوئے جن میں مسلم ماحول میں جدید تعلیم کو رواج دیا گیا۔ اس میں مرکزی کردار مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ادا کیا اور مسلم تہذیب کے تقاضوں کو جدید انداز میں آگے بڑھانے کے لیے سر سید کے ساتھیوں نے آل انڈیا مسلم لیگ بنائی جس نے برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی، مذہبی، اور دیگر حقوق کے فروغ کے لیے کام کیا اور سب سے بڑھ کر علامہ اقبال نے مسلم ریاست کا نظریہ پیش کیا جو مسلم تہذیب کو جدید تقاضوں کے مطابق آگے بڑھائے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے اس تصور کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنے مدلل انداز گفتگو سے ثابت کیا کہ ان تہذیبی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے پاکستان بنانے کی اشد ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قرارداد پاکستان پیش کی گئی۔ اس طرح لاہور کا انتخاب ہمارے تہذیبی رشتوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ جو اس شہر نے اس علاقہ میں مسلم تہذیب کے فروغ کے لیے کیا تھا اور پاکستان بنانے کا عزم بھی اسی شہر سے کیا گیا۔ شبانہ روز محنت سے مسلمان لیڈروں نے قائداعظم کی عظیم لیڈر شپ کے تحت ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنایا تاکہ پاکستان جدید دور میں مسلم تہذیب کو دنیا کے سامنے پیش کرے اور اپنے علیحدہ

تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے انسانی قدروں کے فروغ کے لیے کوشاں رہے۔

پاکستانی ثقافت کے اہم عناصر کچھ اس طرح سے ہیں اسلام کے بارے میں وسیع القلبی، رواداری، امن پسندی، صوفیائے کرام کا احترام، مسلم تہذیبی رشتوں کا احترام، آپس میں بھائی چارہ، مہمان نوازی، غربا پروری، تعلیمی اقدار کے فروغ، احترام انسانیت، مسلم فرقوں میں ہم آہنگی، خواتین کی ہر شعبۂ زندگی میں بھرپور شرکت، ظلم و زیادتی سے نفرت ایسے عناصر ہیں جو پاکستانی ثقافت کا اہم ترین حصہ ہیں۔ اگرچہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن اردو زبان کو عام پاکستانی بھی سمجھتا اور بولتا ہے۔ مذکورہ پاکستانی معاشرہ کی خوبیاں پاکستان کے ہر صوبہ میں پائی جاتی ہیں۔

اس طرح پاکستانی قوم ایک ہی تہذیبی رشتہ کی وارث ہے۔ صوبوں کی تہذیب پاکستانی تہذیب کا ہی حصہ ہیں۔ اگرچہ ہر صوبہ کے اندر ایک نئی ورائٹی پائی جاتی ہے۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح ایک بہت بڑا باغ ہے جس میں بہت سے مختلف رنگوں کے پھول اور پھل پائے جاتے ہیں۔ ان مختلف رنگوں کے پھلوں کے ذائقے بھی بعض اوقات مختلف ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اپنی تمام تر ورائٹی کے باوجود بھی وہ ایک ہی باغ کا حصہ قرار پاتے ہیں۔ اس طرح پاکستانی قوم کی ایک ہی ثقافت ہے جو مختلف رنگوں، پھولوں اور پھلوں سے بھری پڑی ہے اور ان سب کے اندر ایک ہی وحدانیت اور قدر مشترک پائی جاتی ہے جسے پاکستانی تہذیب وثقافت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رشید اختر ندوی، **پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان**۔ اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، ۱۹۹۵ء۔

۲۔ شیخ محمد اکرام، **آب کوثر**، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۲ء۔

۳۔ ایضاً، **رود کوثر**۔

۴۔ ایضاً، **موج کوثر**۔

۵۔ ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۹ء۔

۶۔ اختر رضوی، (مترجم) **تحفۃ الکرام**، کراچی، سندھی ادبی بورڈ، ۱۹۰۹ء۔